M. A. Majeed Khan Yusufzai

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين (القرآن الحكيم)

الهلال

تار کا پتہ
"الهلال کلکته"
ٹیلیفون نمبر ۶۴۸

Telegraphic Address,
"Alhilal Calcutta"
Telephone, No. 648.

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

قیمت
سالانہ ۸ روپیہ
ششماہی ۴ روپیہ ۱۲ آنہ

مقام اشاعت
۷-۱ مکلوڈ اسٹریٹ
کلکته

مدیر مسئول و خصوصی
احمد المکنی بابی الکلام الدہلوی

نمبر ۱۱ کلکته : چہار شنبہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ ہجری جلد ٤

Calcutta : Wednesday, March 18 1914.



سد ہندیہ کا افتتاح بغداد میں
قاضی بغداد، لورلر، و حکام و اشراف شہر۔

AL-HILAL
Proprietor & Chief Editor.
Abul Kalam Azad
7/1 McLeod street.
CALCUTTA.
Yearly Subscription, Rs.8
Half-yearly „ „ 4-12

الهلال

مدیر مسئول و خصوصی
ابوالکلام الدهلوی
مقام اشاعت
۷ - ۱ مکلوڈ اسٹریٹ
کلکته
ٹیلیفون نمبر [illegible]
قیمت
سالانه ۸ روپیه
ششماہی ٤ روپیه ۱۲ آنه

نمبر ۱۱ | کلکته : چہار شنبه ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ هجری | جلد ٤
Calcutta : Wednesday, March 18 1914.

ایک عظیم الشان دینی تحریک کی انتہائی تخریب

مسئلهٔ بقاء ندوة العلماء

طلباے دار العلوم کی اسٹرائک

بیس سال ہوے جب ندوة العلماء نے اپنی پہلی صدا بلند کی - اس نے اپنے مقاصد کا اعلان کیا ' جنمیں سب سے اہم ترین مقاصد یه تھے : رفع نزاع باهمی ' حفظ کلمهٔ اسلام و خدمت ملت کے لیے تمام علما کا اجتماع و اتحاد ' اشاعت اسلام ' اصلاح نصاب قدیم ' تدوین علم کلام جدید -

لیکن اس نے دیکھا که مصائب شدید ' موانع لا علاج ' اور وسائل عمل و نجاح مفقود ہیں - سب سے پہلے ضرورت جس چیز کی ہے وہ یه ہے که ہم میں ایسے علماء حق پیدا ہوں جو وسعت نظر و تبحر علمی کے ساتھه موجودہ عہد فلاکت کی تمام مصیبتوں کا علاج بھی اپنے اندر رکھتے ہوں - سب سے بڑھکر اہم مقصد اشاعت اسلام ہے - اسکے لیے ملک کے اندر صاحبان ایثار و فدا کاران مذہب علما چاہئیں ' اور ممالک متمدنه خارجه کیلیے ایسے روشن ضمیر و کار داں جو علوم حقهٔ اسلامیه کے ساتھه یورپ کی زبانوں سے بھی ماہر ہوں ' نیز علوم و فنون جدیده سے بھی واقفیت رکھتے ہوں -

لیکن بدبختی یه ہے که ایسے لوگ ہم میں ناپید ہیں - یہی حال تمام دیگر مقاصد و اعمال کا ہے -

پس سب سے پہلے ایک ایسا مدرسه قائم کرنا چاہیے جسکی تعلیم سے مقصود و مطلوب اشخاص پیدا ہو سکیں - چنانچه مدرسه قائم ہوا -

* * *

بہت سے لوگوں کو ندوہ کے مقاصد سے تشفی نه ہوئی - خود موجودہ علماء میں سے ایک گروہ کو غلط فہمیاں ہوئیں - باہمی نزاع کا ایک نیا طوفان اٹھا - پھر گورنمنٹ کی سوء ظنی نے رہی سہی امیدیں بھی خاک میں ملادیں - نئے تعلیم یافته اشخاص سمجھے که یه انگریزی تعلیم کا رقیب ہے - قدیم گروہ نے کہا که نئے خیالات کی ایک دوسری صورت ہے - اُن لوگوں میں بھی سمجھنے والے اور سچا درد رکھنے والے نه تھے ' گزشته زمانے نے اپنی ایک قیمتی متاع کو پاکر کھو دینا چاہا ' اور غفلت و حوادث نے اسکا سامان مہیا کیا : و کانوا فیه من الزاهدین !

اسکے بعد پھر ایک نیا دور شروع ہوا ' اور موانع راہ بظاہر ایک ایک کرکے ہٹنا شروع ہوے - قوم نے بھی توجه کی ' مالی حالت بھی درست ہو چلی - تعمیرات کا سلسله شروع ہوا ' کچھه اشخاص دار العلوم سے پیدا ہوے جنکی قابلیت کا ملک نے اعتراف کیا ' اور وہ وقت قریب آیا که ملک اسکی جانب پوری توجه کرتا ' اسکے اندرونی مقاصد کی اصلاح کی جاتی ' اور اسکے باطن کو بھی مثل اسکے ظاہر کے صاف و بہتر بنایا جاتا - لیکن چونکه امیدیں قوی اور توقعات شاد کام ہوئیں ' تو یکایک حوادث و غفلت اور فتنه و فساد کے واقعات کا دوسرا ورق الٹا ' اور مثل بیت المقدس کے هیکل کے جسکے دو مرتبه تباہ ہونے کی تورات میں خبر دی گئی تھی ' ندوہ پر بھی دوسری تباہی کا دور شروع ہوگیا : بعثنا علیکم عباداً لنا اولی باس شدید ' فجاسوا خلال الدیار و کان وعداً مفعولا (١٧ : ٥)

* * *

بیت المقدس کے لیے دو بربادیوں کی خبر دی گئی تھی جو بنی اسرائیل کی شامت اعمال سے آنے والی تھیں - پہلی بخت نصر کی چڑھائی اور دوسری ٹیٹس شاہ روما کی : و قضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ' و لتعلن علوا کبیرا (١٧ : ٤) -

پہلی بربادی کے بعد عزیر نبی کی آہ و زاری نے سلیمان کے هیکل اور اسرائیل کے گھرانے کو بچالیا پر دوسرے کے بعد ہمیشه کیلیے شام کے مقدس مرغزار اجڑ گئے -

کیا ندوة العلماء پر بھی یه دوسری تباہی آخری ہے ' اور کیا یہود هذه الامة کی بد اعمالیوں سے یه دوبارہ اُجڑکر پھر آباد ہوگا ؟

و قال رسول الله صلی الله علیه و سلم : لتتبعن سنة من کان قبلکم (ای الیهود) باعاً بباع ' و ذراعاً بذراع ' و شبراً بشبر ' حتی لو دخلوا فی جحر ضب ' لدخلتم فیه ! !

* * *

خود ندوة العلماء کے اعتراف سے لوگوں نے انکار کیا ' مگر اسکے مقاصد صحیحه کے اعتراف سے گریز کرنا زمانے کی طاقت سے باہر تھا - آنکی حقیقت خود زمانے اور وقت ہی کے حکم کا نتیجه تھی اور انسان سمندر کی موجوں سے لڑ سکتا ہے ' پہاڑوں کی صفوں کو چیر سکتا ہے ' طوفان اور بجلی پر قلم یابی حاصل کر سکتا ہے ' پر زمانے سے لڑنے کی آسے تلوار نہیں دی گئی ہے - و قال علی علیه السلام : لا تسبو الدهر ' فان الدهر هو الله

پھر دیکھو کہ خود ندوہ تو بے حس و حرکت پڑا رہا ' لیکن اسکی صدائیں کس طرح تمام عالم اسلامی میں جنبش پیدا کرتی رہیں ؟ مسلمانان روس نے ٹھیک اسی کے سے مقاصد کو اپنے کاموں کا پروگرام بنایا ' بخارا میں خود رائس وقت نے اصلاح نصاب قدیم کیلیے کمیٹی بنائی ' مصر میں "مدرسۃ دعوۃ و ارشاد" اسی کی تقلید میں بنایا گیا -

خود ھندوستان کے اندر بھی دیکھو کہ کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے ؟ اور پھر سوچو کہ ندوہ کس طرح اپنا کام چپکے چپکے انجام دیتا رہا ؟

درس قدیم کے سب سے بڑے مرکز مدرسۂ عربیہ دیوبند میں " جمعیۃ الانصار " قائم کی گئی ' اور اس طرح اعتراف کیا گیا کہ مدرسہ میں طلبا کو تعلیم دینے کے علاوہ کچھہ اور کام بھی ضروری ہیں جسکے لیے سالانہ اجتماع ہونے چاہئیں ' اور نیز یہ کہ نئی ضرورتوں کے وجود سے انکار نہیں - اس سے بھی بڑھکر یہ کہ انگریزی خوان طلبا لیے گئے تاکہ انکو علوم عربیہ کی تعلیم دیکر وقت کی ضرورتوں کا علاج کیا جاے !

اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را !

جنوبی ہند میں مدرسۂ باقیات الصالحات کے اجلاس ہوے اور اول سے لیکر آخر تک وہی سب کچھہ کہا گیا جو ندوہ کہتا رہا ہے - خود گورنمنٹ نے شملہ میں مشرقی علوم کے احیاء کیلیے کانفرنس منعقد کی اور کلکتہ یا دھلی میں نئی درسگاہ کی تجویز ہے !

لالہ ساغر گیر و نرگس مست و بر ما نام فسق !
داوری خواہم مگر یارب کرا داور کنم ؟

ندوہ کی حقیقت کا سب سے آخری اعلان دھلی کی ایک نئی انجمن ہے جو " نظارۃ المعارف القرآنیہ " کے نام سے مولانا عبید اللہ صاحب سابق ناظم جمعیۃ الانصار دیوبند نے قائم کی ہے - اسکا مقصد یہ ہے کہ انگریزی خوان فارغ التحصیل طلبا کو لیکر قرآن و حدیث اور بعض کتب اسرار الدین کا درس دیا جاے اور اس طرح اشاعت و حمایت اسلام کیلیے انکے علما پیدا کیے جائیں :

خواہم کہ دگر بشکستہ سازیم حرم را

ندوہ وہی کہتا تھا جو آج کہا جا رہا ہے ' لیکن فرق یہ ہے کہ اگر اسکی تجویزوں پر اس وقت کان دھرا ہوتا تو آج اس منزل کا بڑا حصہ طے ہوگیا ہوتا ' اور ہم میں ہر طرح کے کاموں کیلیے وہ قحط الرجال نہ ہوتا جو نظر آ رہا ہے - لیکن اب حالت یہ ہے کہ بیس پچیس برس کی غفلت کے بعد لوگ وہاں پہنچے ہیں ' جہاں سے ندوہ نے ایک قرن پہلے اپنا سفر شروع کرنا چاہا تھا :

امروز دانا کند آنچہ نادان
لیک بعد از خرابی بسیار

* * *

آج ہر طرف اشاعت اسلام کے کاموں کو لوگ محسوس کر رہے ہیں اور ترقی دیکھانے کے اسلام لانے کے واقعہ سے لوگوں میں از سر نو اسکا خیال پیدا ہوگیا ہے کہ ممالک یورپ میں اسلام کے داعی بھیجے جائیں تاکہ اسلام کی تبلیغ خارجہ کا کام شروع ہو ' لیکن کیا یہ کام بغیر انگریزی داں و نئے تعلیم یافتہ علما کے انجام پاسکتا ہے ' اور کیا اسکے لیے علما ہم میں موجود ہیں ؟

اگر انکی بھی تو درسگاہ کی ضرورت ہے - پھر یہ کیسی غفلت شدید ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلما صرف انہی مقاصد کیلیے پیشتر سے قائم ہے ' وہ اپنی تاسیس و تعمیر کی ابتدائی منزلوں سے گذرچکا ہے - اسکا وجود قوۃ سے فعل میں آچکا ہے اور صرف تکمیل و اصلاح کا محتاج ہے - ہم اسکی تباہی و بربادی کو گوارا کر رہے ہیں اور اپنی [illegible] بنائی ہوئی متاع عزیز کو اپنے سامنے ضائع ہوتا دیکھہ رہے [illegible]

اس [illegible] بڑھکر غفلت و سرشاری کی [illegible] اور کیا ہوسکتی ہے کہ [illegible] کیلیے ہمارے ہاتھوں میں نئے پروگرام اور نئے کاموں [illegible] میں انہی مقاصد سے خود ہمارا بنایا ہوا مکتب [illegible] موجود ہو - ہم اسے تو ضائع کر دیں مگر نئے [illegible] میں سرگرداں ہوں ؟ فما لہٰؤلاء القوم لا یکادون یفقہون حدیثا ؟

* * *

البتہ یہ ضرور ہے کہ بحالت موجودہ ندوہ نہ ترقی کا ہے ' اور نہ اسکے کسی مرض کا علاج ہے - اسکا کوئی نظم صحیح نہیں - اسکے دستور العمل میں قوم کی راے اور قوۃ عمل کو کوئی دخل نہیں - اسکی حکومت کا رشتہ صرف چند آدمیوں کے ہاتھہ میں ہے اور جب تک مشترکہ اور جمہوری کاموں کے اصولوں پر اسکا دستور العمل نہ بنیگا ' ہمیشہ اشخاص ہی کے ہاتھوں میں رہیگا - اسکے انتہائی تغیرات و اعمال کا حق بھی ایک محدود طبقہ کی مجلس خاص کو دیدیا گیا ہے ' اور اسکا نتیجہ ہے کہ وہ محض چند مقامی اور قابض آدمیوں کا کھلونا بنگیا ہے ' جو جس طرح چاہیں اپنے اغراض کیلیے اس سے کھیل سکتے ہیں -

اس سے بھی بڑھکر یہ کہ اس نے اپنی آخری توقعات بھی کھودیں اور چند آدمیوں نے خانہ ساز سازش کرکے نئے عہدہ دار منتخب کرلیے - ایسا کرنا خود ندوہ ہی کے دستور العمل و قواعد کے صریح برخلاف ہے - پھر نہ تو قوم ان اشخاص سے واقف ہے ' نہ انکے کاموں کی اسے خبر ہے ' اور نہ یہ جانتی ہے کہ جن مقاصد کا ندوۃ العلما ماتم گذار ہے ' ان سے انہیں کوئی مناسبت و تعلق بھی ہے یا نہیں ؟

دار العلوم ایک ویرانہ و خرابہ ہوگیا ہے - گرد و خاک کے اندر چند مدرسوں اور طالب علموں کی مٹی ہوئی صورتیں نظر آتی ہیں ' اور وہ بھی قریب فنا ہیں - طلبا کی تعداد ایک تہائی سے زیادہ گھٹ گئی ہے ' اور انکے اندر ولولۂ تحصیل اور شوق تدریس کی کوئی روح باقی نہیں رہی - انکے دل افسردہ ہوگئے ہیں اور اپنی حالت پر متاسف ہیں - انکو ارباب فن کی صحبت و تعلیم سے محض بربناے بغض ذاتی روکا جاتا ہے ' اور قومی مجلسوں میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی - حتی کہ انہوں نے اسٹرائک کردی ہے ' اور یہ اس مدارس و مجامع کی انتہائی غارت ہے !

کسی مدرسے کی معنوی زندگی کیلیے بڑی چیز یہ ہے کہ اسکے طلبا کے اندر اپنی عالم الف کی صحبت اور ولولہ و نشاط کار ہو - یہی ولولہ انکو سب کچھہ بنانے والا ہے ' ورنہ محض کتابوں کے سفحوں اور معلموں کی زبانوں میں تو کچھہ بھی نہیں ہوتا -

لیکن دار العلوم ندوہ کے اندر اب کسی طالب علم کو اپنی زندگی محسوس نہیں ہوتی - یہ حیثیت مجموعی انکی اور انکے مدرسہ کی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ دیکھنے والے کو زندگی کی جگہ ایک معنوی موت کے آثار نظر آتے ہیں !

یہ حالت دیکھکر تعلیم کا ایک سرکاری انسپکٹر بھی ہمارے ماتم میں شریک ہوگیا ' اور اس نے افسوس کیا کہ گورنمنٹ کا پانچ سو روپیہ ماہوار ضائع جا رہا ہے !

کچھہ شک نہیں کہ ان حالات کے ساتھہ ندوہ کچھہ بھی نہیں ہے - اتنا بھی نہیں جتنا کسی دیہات کا مکتب یا کسی پرانی مسجد کے ملا کا مکتبی درس ہوتا ہے - بلا شبہ اگر اسکا مرض لا علاج

اور اسکی خرابی نا قابل دفع ہے تو اسے مٹ ہی جانا چاہیے ' لیکن مٹنا چاہیے اس طرح ... سسک سسک کر دم توڑنا ... چاہیے کہ اسکے ماتم گساروں ... اسی سے اتنا بھی ... دست علاج کی جگہ خنجر کاٹ ہی کو کام میں لائے!

بگیرم کہ وقت قدم تیشہ کند مرا
دیدن هلاک و رحم نہ کردن کجا

لیکن ابھی مرض لا علاج نہیں ہوا اور درسگاہ ... بیس سال کی کوششوں کا نتیجہ ہے' پورا ایک ... کم ... اصلاح کے سوا اور سب کچھہ موجود ہے - اگر ہم اسکی اصلاح کرسکیں تو زمانۂ حال کی ایک بہترین درسگاہ بن سکتی ہے - وہ اُن تمام ضرورتوں کو پورا کرسکتی ہے جنکو اب ہر شخص محسوس کر رہا ہے' کیونکہ اصلاح ملت اور حفظ و تبلیغ اسلام کے تمام کاموں کیلیے وہ ایک بنا بنایا ہوا مرکز ہے -

خلاصۂ مطالب

پس موجودہ وقت کے کاموں میں سب سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کیلیے یہ ہے کہ وہ ندوۃ العلما کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور اسکے تمام مفاسد و نقائص کو سمجھکر ایک فیصلہ کن اور آخری انتظام کردیں تاکہ وہ ایک باقاعدہ اور منظم درسگاہ کی صورت اختیار کرلے -

طلبا کی موجودہ اسٹرائک بھی دراصل انہی نقائص کا نتیجہ ہے - پس ہم کو نظر محض ایک دو نتیجوں ہی پر نہیں رکھنی چاہیے بلکہ اصلی علتوں اور سببوں کو دور کرنا چاہیے -

اس امر سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ مولانا شبلی نعمانی نے ندوۃ العلما کو دوبارہ زندہ کیا اور اسکے لیے بہت سی خدمتیں انجام دیں' لیکن افسوس کہ انہوں نے کبھی اسکے اندرونی مفاسد کو دور کرنے کیلیے توجہ صرف نہ کی' اور اسکی بے ضابطگیوں سے قوم کو خبردار نہ کیا ورنہ یہ وقت بد کبھی بھی نہ آتا - یہ انکی ایک ایسی کمزوری تھی جسپر انہیں خود بھی اپنے تئیں ملامت کرنا چاہیے - اب صرف مولانا شبلی سے توقعات رکھنا بھی بے سود ہے جیسا کہ بہت سے لوگ کہہ رہے ہیں - کوئی کام جو صرف اشخاص کی امید پر ہو' زندہ نہیں رہسکتا' اور اگر ندوۃ العلما صرف مولانا شبلی ہی کے دم سے ہے تو ندوہ کی قسمت پر رونا چاہیے جو ایک ایسے ستون پر کھڑا ہے جو ہمیشہ قائم نہیں رہیگا -

ندوہ کو قوم کے ہاتھہ میں آنا چاہیے - اب تک وہ ایک ایسی قومی جائداد ہے جسکی سند تو قوم کی جیب میں ہے پر قبضہ اسکا نہیں ہے -

اس بارے میں اصلی اور صحیح ترتیب عمل یہ ہے:

(۱) سب سے پہلے اسکی موجودہ حالت کا سوال ہے - پوری بے قاعدگی کے ساتھہ اسکے لیے نئے عہدہدار منتخب کیے گئے ہیں جسکی تفصیلی سرگذشت "مدارس اسلامیہ" کے سلسلے میں آیندہ نمبر پیش کریگا - اسکا نتیجہ یہ ہے کہ ندوہ نے اپنے اصلی مقاصد بالکل اٹھا دیے ہیں' اور جمہور کی آواز اسمیں کوئی چیز نہیں - اسی طرح دار العلوم کا انتظام بالکل ابتر ہوگیا ہے - شکایتوں کا ایک پورا سلسلہ ہے - طلبا سے جہات تعلیمی بالکل مفقود ہوگئی ہے - انہوں نے تعلیم چھوڑ کر اسٹرائک کردی ہے -

(۲) اسکے بعد اصل ندوہ کے نظام و اساس کا سوال ہے - جب تک ایک مرتبہ اسے از اول تا آخر نظر ڈالکر درست نہ کیا جائیگا' کچھہ بھی نہ ہوگا - اسکے قواعد و ضوابط بالکل ... دیے گئے ہیں - جماعت کو اسمیں کوئی دخل نہیں' ارکان انتظامی کا دائرہ چند خاص خیال کے لوگوں' اپنے دوستوں اور رفیقوں' یا ایک ہی خاندان کے ایسے سے لوگوں سے بھر دیا گیا ہے - تنگ خیالی اور فریقانہ تعصبات سے پورا پورا کام لیا گیا ہے - ترتیب عمل و تقسیم کار کا وجود نہیں - خود دار العلوم کیلیے کوئی مکمل نظام و دستور العمل نہیں ہے - ان تمام اساسی امور کی اصلاح ہونی چاہیے -

(۳) سب سے آخر ندوہ کے مقاصد اور اصول عمل کا مسئلہ ہے - وہ اصلاح دینی کی ایک تحریک ہے جو درس علوم صحیحۂ اسلامیہ اور طریق ارشاد و هدایت دینی کی راہ سے کام کرنا چاہتی ہے - پس اسکا معمور عمل کیا ہونا چاہیے؟ اس بارے میں میرے بعض خاص خیالات ہیں' اور میں ندوۃ العلما کے کاموں سے متعدد امور میں اصولی اختلاف کرنے کے وجوہ رکھتا ہوں - پس اس مسئلہ پر بھی ایک نظر ثانی ہونی چاہیے -

* * *

ان امور کے حصول کا طریقہ یہی ہے کہ سب سے پہلے ایک معتمد کمیٹی یا مجلس قائم ہو جو موجودہ نقائص کی تحقیقات کرے - اسکے بعد ایک عظیم الشان نیابتی جلسہ منعقد ہو' اور وہ ندوہ کو اسکی زندگی کا آخری فیصلہ سنادے -

تمام ارباب درد و کار کو اسکے لیے اپنی صدائیں بلند کرنی چاہئیں اور حس کار و جوش عمل کا ثبوت دینا چاہیے -

و ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ - ان اللہ کان علیما حکیما -

اسٹرائک

الحمد للہ کہ ندوہ کے معاملات کی طرف سے جو عالم غفلت چھائی ہوئی تھی' وہ دور ہونا شروع ہوگئی ہے - وقت اور حقیقت کی کوئی صدا بیکار نہیں جاسکتی - پچھلا الہلال بدھ کے دن ڈاک میں پڑا ہے اور جمعہ یا سنیچر کے دن باہر پڑھا گیا ہے - آج پیر کا دن ہے - اس حساب سے جو خطوط اور مراسلات کل سے آج تک دفتر میں پہنچے ہیں' وہ عین اسی دن لکھکر ڈاک میں ڈالے گئے ہونگے جس دن الہلال پہنچا ہے - تاہم اسطرح کی مراسلات کی تعداد تیس چالیس سے کم نہیں اور یہ بہت بڑا ثبوت تنبہ و ایقاظ غفلت کا ہے - و للہ عاقبۃ الامور -

* * *

اسٹرائک بدستور قائم ہے - ایک مراسلہ نگار کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ طلبا اپنی شکایتوں کے متعلق ایک تحریر شائع کرنے والے ہیں - جو حالات ہم تک پہنچے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو افسوس کرنا پڑتا ہے کہ اسٹرائک کے بعد سے جو سلوک نئے حکام ندوہ کر رہے ہیں وہ سخت باز پرس کا مستحق ہے - انکو چاہیے تھا کہ وہ نرمی سے پیش آتے کہ اصلاح حال کا سب سے بڑا حربہ یہی ہے' اور پھر باقاعدگی کے ساتھہ انکی شکایتیں کو سنتے - مگر معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے پہلے جبر و تشدد کے اظہار سے کام لینا چاہا' اسمیں ناکام رہے تو کھانا بند کردیا - اس سے بھی کچھہ نہوا تو بورڈنگ سے نکل جانے کی اور پولیس سے مدد لینے کی دھمکی دی' اور صاف انکار کردیا کہ ہم طلبا سے کچھہ سننا نہیں چاہتے - اگر واقعی ایسا ہی کیا جارہا ہے تو ندوہ کی بربادی کی یہ آخری ذمہ داری ہے جو یہ لوگ اپنے سر لے رہے ہیں' اور وہ یاد رکھیں کہ یہ ذمہ داری انکی تمام پچھلی ذمہ داریوں سے بھی بڑھکر انکے لیے خطرناک ہے -

انکو چاہیے تھا کہ وہ شکایتیں کو سنتے اور اگر انکے وجوہ سے انکار ہے تو قبل اسکے کہ باہر سے کمیشن قائم ہو' خود ہی ایک کمیشن غیر متعلق لوگوں کا قائم کردیتے - یہ کمیشن ایسے لوگوں سے مرکب ہوتا جو طلبا اور حکام ندوہ' دونوں کے الگ الگ معتمد ہوتے - پھر طلبا کو انکے سامنے پیش کرتے - اظہارات لیتے اور معاملہ صاف ہوجاتا - دنیا بھر میں کام کرنے کا یہی طریقہ ہے -

مساجد و قبور لشکر پور

بیان کیا گیا ہے کہ اب لشکر پور کی مساجد کا مسئلہ صوبے کے اعلی حکام کے ہاتھہ میں ہے اور وہ بہت جلد اس کا فیصلہ کرینگے - لیکن ضرورت اس سے بھی بلند تر حکام کے توجہ کی ہے ' ورنہ یہ معاملہ بھی کانپور کے واقعہ سے کم نہوگا -

کہا جاتا ہے کہ ابھی ایجیٹیشن نہ کرو - پبلک کے سامنے گورنمنٹ کی اطاعت کے سوا اور کچھہ زبان سے نہ نکالو - اگر ایسا کروگے تو یہ بغاوت ہے - لیکن سوال یہ ہے کہ خود گورنمنٹ اور اعلی حکام کے طرز عمل کا کیا حال ہے ؟ کیا وہ کسی معاملے کو وقت سے پہلے اور بغیر عام ہیجان کے قبول کرلیتے ہیں ؟

اسی لشکر پور کے واقعہ سے اس سوال کا جواب مانگنا چاہیے - ابتدا ہی میں حکام کو تمام معاملات سے واقفیت ہوگئی تھی اور گورنمنٹ کے سامنے پورا معاملہ رکھدیا گیا تھا - لیکن باوجود اسکے کوشش کی گئی کہ غفلت اور التوا سے فائدہ اٹھا کر مسجدوں کو منہدم کردیا جاے ' مثل ان بہت سی مساجد کے جو اسی طرح منہدم ہوچکی ہیں !

اسطرح خود گورنمنٹ ہی پبلک کو سکھلا رہی ہے کہ ہم سے کام نکالنے کا صحیح طریقہ کیا ہے ؟ مگر ستم یہ ہے کہ جب اس ایک ہی کامیاب طریقہ سے کام لیا جاتا ہے تو پھر حکام آپے سے باہر ہوجاتے ہیں اور چیخ اٹھتے ہیں کہ یہ بغاوت ہے :

خیال تو بوس گفته از جانب ما نیست
با غمزه بگو تا دل مردم نه رباید

کانپور کے معاملے کے بعد امید بندھی تھی کہ شاید حکام عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ سڑکوں کی کشادگی اور بعض اسٹیشنوں کی وسعت بغیر خدا کی عبادت گاہوں کو ڈھاے ہوے بھی ممکن ہے - خود هز ایکسلنسی لارڈ ہارڈنگ نے بار بار اسکا اعلان کیا ' اور پچھلی کونسل کی اسپیچ کے بعد تو مسجدوں کی طرف سے ہمیں بے فکر ہوکر سوجانا تھا - مگر افسوس کہ لشکر پور کے معاملے نے یقین دلا دیا ہے کہ وہی اعتقاد سچ تھا جو اس بارے میں ابتک ہے ' اور جیران وعدوں کی دلفریبی سے متزلزل سا ہوگیا تھا !

یہ چھوٹے حکام جو ایسا کر رہے ہیں ' در اصل گورنمنٹ کے اعلی اعلانات کی صریح توہین کرتے ہیں - انکے نزدیک هز ایکسلنسی لارڈ ہارڈنگ کے اظہارات گویا بالکل ایک بے اثر چیز ہیں - پس سوال یہ ہے کہ اب تک مسلمان اسطرح اپنی عبادت گاہوں کی طرف سے بیقرار و مضطرب رہ جائینگے ؟ اور آخری نتیجہ اسکا کیا ہوگا ؟

انکا بہت آسانی کے ساتھہ ممکن نہیں ہے کہ اسی طرح غفلت میں مسجدیں توڑدی جائیں ' اور قبرستانوں سے بوسیدہ ہڈیاں نکالکر باہر پھینک دی جائیں ؟ ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ اب مسجدیں صرف مسلمانوں کی بروقت ہشیاری ہی سے بچ سکتی ہیں نہ کہ کسی قانون اور سرکاری ذریعہ سے - اگر ایسا ہی ہے تو کیا مسلمانوں کو اب ہر وقت ہشیار اور آمادہ نہ رہنا پڑیگا ؟

ہم لوگوں کو ہشیار کرتے رہے ہیں اور اب بھی ایسا ہوسکتا ہے لیکن گورنمنٹ کیلیے اس راستہ کا اختیار کرنا دانشمندی کے خلاف ہوگا - وہی حکام اس سوال کا جواب اپنے دل سے پوچھیں اور اسکے نتائج پر غور کریں !

اس موقعہ پر ہم ان لوگوں کو یاد دلاتے ہیں جو اب بھی رکھتے ہیں جو گذشتہ جنوری میں خاموش تحفظ مساجد کی منظوری کا وعدہ دلاتے تھے ! گویا جنوری میں پاس ہوا - آئندہ فروری میں ایک

اور مسجد بھی گرا دی گئی ! ! فما با ہلاء القوم ' لا یکادون یفقہون حدیثا !

الهلال

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ ہجری

صدا بہ صحرا !

مسئلۂ قیام الہلال کا آخری فیصلہ

(۱)

از ناله لم مرنج که آخر شکست کار
شمع خموش ز دود سرم دود می رود !

الہلال کو نکلے ہوے انیس ماہ ہوگئے یعنے تین ماہ کے بعد پورے دو سال ہوجائینگے - الہلال مثل دنیا کے تمام کاموں کے ایک کام ہے ' جسکا ہر جزو روپیہ کے خرچ سے طیار ہوتا اور انسان کی دماغی و جسمانی محنتوں سے بنتا ہے - جس طرح کہ دنیا میں ہر شے قیمت سے ملتی ہے ' اسی طرح الہلال کیلیے بھی ہر شے خریدنی پڑتی ہے - اسکے لیے پریس قائم کیا گیا ہے ' جسکی ہر چیز روپیہ دیکر لی گئی ہے - وہ کاغذ پر چھپتا ہے ' اسپر سیاہی صرف کی جاتی ہے ' تصویروں کے بلاک بنائے جاتے ہیں ' اور یہ تمام اشیا قیمت کے بغیر نہیں ملتیں - مثل دنیا کے تمام کاروباری دفاتر کے اسکا بھی ایک دفتر ہے ' جسکے لیے چاندی اور سونے کے سکے مطلوب ہیں ' اور دنیا میں ابتک معاوضۂ جنس کا قدیمی اصول بغیر کسی اقتصادی تغیر کے جاری ہے -

پھر یہ بھی ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے ' اور کوئی کام قائم نہیں رہسکتا جب تک کہ اسکا جمع و خرچ برابر نہو ' یا اسکے لیے کوئی ایسا خزانہ ہاتھہ نہ آجاے ' جسکے گھٹ کر ختم ہوجانے کا خوف دور کردیا گیا ہو -

اگر یہ تمام حقائق ' حقائق اصلیہ ہیں ' جنکی صحت متعارف اور نا قابل انکار ہے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ الہلال کیلیے روپیہ کا مسئلہ موقوفہ ہوتا اور اسکی مالی حالت کے موضوع کو بالکل نظر انداز کردیا جاتا ' اور وہ کہ سب کیلیے اسکے پاس زبان ہے ' ضرور تھا کہ خود اپنے لیے بھی کبھی نہ کبھی کچھہ بولتا -

تاہم احباب کرام سے پوشیدہ نہیں کہ اس بارے میں آجتک وہ بالکل خاموش رہا ' اور اس لحاظ سے وہ ملک کے تمام زر طلب تجارتی اور غیر تجارتی کاموں میں شاید ایک ہی کام ہے ' جس نے اپنی مالی حالت کے متعلق باوجود مسلسل کام کرنے کے استدیدہ خاموشی اختیار کی ہے - ششماہی جلدوں کے اختتام اور داخلۂ جلد جدید کے لکھتے ہوے کئی بار ارادہ ہوا کہ چند کلمات اس بارے میں بھی عرض کروں - لیکن ہر مرتبہ طبیعت نے نہایت کراہت کے ساتھہ انکار کردیا ' کہ خدا کی تلاش کے ساتھہ اسکے بندوں کے آگے ہاتھہ پھیلانا زیبا نہیں - کئی دفعہ ایک دو سطریں اس بارے میں لکھیں بھی تو وہ اسقدر مجمل اور مبہم اشارہ تھیں کہ شاید بہت سے لوگ سمجھے بھی نہ ہونگے - گذشتہ جلد کے کسی آخری نمبر میں " صدا بہ صحرا " کے عنوان سے الہلال کے روز افزوں مصارف کی

طرف اشارہ کیا تھا - در اصل مقصود اُس سے ابھی بھی تھا مگر طبیعت کے غیر تجارتی مذاق نے کھل کر صاف [illegible] نہ دیا :

دوش [illegible] دمدم گلہ بر [illegible]

چشم [illegible] فلک و روے سخن سوے تو

ہر کام کیلیے طبیعت کی مناسبت اور [illegible] وری ہے - لیکن دیکھیے کہ کاروباری اور تجارتی [illegible] طبیعہ کے مذاق میں اسدرجہ اختلاف و تضاد واقع [illegible]

اگر کبھی زور ڈالا بھی اور ارادہ بھی کیا کہ دو چ [illegible] ان سے نکالیے تو ایک اناڑی اور نوآموز تاجر کی طرح عین خرید و فروخت کے وقت زبان لڑکھڑا گئی :

طفل نادانم و اول سبق است !

* * *

یہ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ طبیعت کیا چاہتی ہے اور کرنا کیا پڑتا ہے ؟ میں نے بارہا نفرت اور سخت کراہیت کے ساتھہ اپنی اس حالت کو دیکھا ہے کہ اصلاح و دعوت کے کاموں کا تو دعوا کرتا ہوں ' لیکن حالت یہ ہے کہ ایک کاروباری دفتر قائم کیا ہے ' جو لوگوں سے قیمت لیتا ہے اور اسکے معاوضہ میں ایک رسالہ چھاپکر تقسیم کرتا ہے - حالانکہ خدمت خلق اللہ کے ولولے کے ساتھہ تاجروں کا سا لین دین کب جمع ہوسکتا ہے ؟ خدا کے کام کو تجارت کا بازار نہیں بنانا چاہیے - یہ ایثار نفوس و صرف جذبات کی ایک قربانگاہ ہے جہاں تاجروںکا گذر نہیں ' کیونکہ نفع ڈھونڈھنے والوں کیلیے وہاں کوئی سامان نہیں ہے - وہاں کا پیغام دعوت صرف اُنہی کے لیے ہے جو سود کی جگہ زیاں کے ' لذت کی جگہ ایذا کے ' جمع کی جگہ خرچ کے ' اور حصول کی جگہ بخشش فرمائی کے متلاشی ہیں !

مدہ بشارت طوبیٰ کہ مرغ ھمت ما

بران درخت نشیند کہ بے ثمر باشد !

لیکن پھر سونچتا ہوں تو اسکے سوا چارہ بھی نہ تھا - اخبار موجودہ زمانے میں ایک ہی وسیلہ اصلاح خیال و دعوت عموم کا ہے ' اور اسکے جاری کرنے کا ذریعہ یا تو یہ ہے کہ ایک بڑا خزانہ اسکے لیے وقف کردیا جاے ' جو میسر نہیں (والحمد للہ علی ذالک) اور یا پھر یہ کہ بقدر اخراجات لینے والوں سے قیمت لینا گوارا کیا جاے - دوسری صورت کے اختیار کرنے پر مجبور تھا اور اختیار کی ' مگر وہ عالم السرائر خوب جانتا ہے کہ اگر اسکی خدمت کی شیفتگی غالب نہ آتی تو میں اسطرح کی اخبار نویسی کیلیے کسی طرح بھی راضی نہ تھا - مرحوم غالب نے میری زبانی کہا ہے جبکہ درد اور حسرت میں تڑپ کر کہا ہے :

ما نبودیم بدین مرتبہ راضی غالب

شعر خود خواہش آن کرد کہ گردد فن ما !

عام طور پر ان معاملات میں جو حالت ہماری ہورہی ہے اسکو سامنے لائیے ' اور پھر انصاف کیجیے کہ اب تک الہلال کا کیا رویہ رہا ؟

کبھی درد انگیز اپیلیں لکھی گئیں ؟ کبھی خریداروں کو گرفتارئی کی حالت پر توجہ دلائی گئی ؟ کبھی اپنے سہے ہوے نقصانات کا افسانہ سنایا گیا ؟ کبھی لوگوں سے درخواست کی گئی کہ وہ ایک ایک خریدار ضرور ہی مہیا کردیں ؟ حالانکہ ان کاموں کی جو حالت عام طور پر ہورہی ہے ' اس [illegible] سے تو الہلال نے ہر تعبیر کو حسن طلب کا ایک نیا سوال ہو [illegible] ' لیکن الحمد للہ کہ ایسا کبھی نہ ہوا - طبیعت گدائی اور [illegible] گری کی اعلی سے اعلی اور مخفی سے مخفی صورتوں سے بھی [illegible] نفور اور تجارتی معارضہ کی طلب سے بھی بالکل مستغنی و [illegible] پروا تھی - مانگنے کی جگہ ایک ہی ہے نہ کہ ہر دینے والا - اور وہ جو انسان پر سوال کرے

والے ہیں ' چاہیے کہ زمین پر خود اسکے آگے سوال ہو - دعوت و اعلان حق کا کام کرنے والوں کو اپنے لیے نہیں ' مگر اپنے کام کی عزت کی خاطر بادشاہوں کی سی نظر ' اور کشور ستانوں کا سا دماغ رکھنا چاہیے - جو لوگ خدا کے دروازے کے سائل ہیں ' دنیا میں کس کی ہستی ہے کہ وہ انھیں اپنے سامنے سائل دیکھہ سکے ؟ انکی جیب میں ایک کھوٹا سکہ بھی نہو ' لیکن انکے دل میں وہ خزانہ مخفی ہے جس سے بڑی بڑی مغرور شہنشاہیوں کو خرید سکتے ہیں - دولت اور ریاست دلدوی اسلیے بنائی گئی ہے تاکہ اپنے آپکو انکے آگے پوری حقارت سے ڈالدیے ' اور وہ اُسے ٹھکرا کر عزت بخشیں - اگر وہ ایسا کریں تو دولت کے پرستاروں کیلیے بھی بڑا شرف ہے - کیونکہ انکے پاس جو کچھہ ہے وہ ختم ہوجائیگا یا چھین لیا جائیگا - پر انکے پاس جو خزانہ ہے وہ نہ تو کبھی ختم ہوگا اور نہ اس آسمان کے نیچے آکے کوئی چھین سکتا ہے !

جب حالت ایسی ہو تو خدمت حق کی توفیق طلبی کے ساتھہ انسانوں سے اعانت طلبی کا خیال کیونکر جمع ہوسکتا تھا ؟ جو زبان خدا کی حمد و ثنا کیلیے بنی ہے ' اسے عاجز و درماندہ بندوں کے آگے شکر گذاری اور عجز نمائی سے گندہ کرنا روح کی موت اور دل کی ہلاکت ہے !

لب تشنہ رفت و دامن پرہیز تر نہ کرد

زان چشمۂ کہ خضر و سکندر وضو کنند

* * *

اعلان حق اور احتیاج و طلب ' دونوں ایک ساتھہ جمع نہیں ہوسکتے - خدمت حق کی پہلی شرط یہ ہے کہ خداے برتر کے سوا اور کسی ہستی کا قلم و زبان پر دباؤ نہو - کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو بہت ممکن ہے کہ انسانی احسانوں کا بوجھہ تمھیں حق کہنے نہ دے ' اور جن مغرور سروں کو حق کی عزت کیلیے چاہیے کہ غرور صداقت اور تکبر الہی سے ٹھکرادو ' خود اُنہی کے آگے تمھیں اپنی گردنیں جھکانی پڑیں :

آنانکہ شیران را کنند روبہ مزاج

احتیاج ست ' احتیاج ست ' احتیاج

تاریخ اسلام میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تنزل کا افسانہ پڑھو - تمھیں نظر آئیگا کہ اسکا اصلی سبب یہی تھا کہ علماء حق روز بروز کم ہوتے گئے ' اور علماء سوء نے امرا و رؤساء کے آگے طلب و احتیاج کا سجدہ کرنا شروع کردیا - نتیجہ یہ نکلا کہ جنکے دست احسان کے ڈالے ہوے طوق گلے میں پڑے تھے ' انکے سامنے اٹھنے کی اُن میں طاقت کیونکر ہوسکتی تھی ؟ آج بھی عالم اسلامی کو دیکھو تو تمھیں دعوۃ الی الخیر اور نہی عن المنکر کی صدائیں کہیں سے سنائی نہ دینگی ' کیونکہ جس فاسق و فاجر اور ظالم و مستبد کی جیب میں زر ہے ' وہ کتوں کے آگے روٹی کے چند ٹکڑے ڈالدینے کا جادو خوب اچھی طرح سیکھا ہوا ہے :

دھن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ !

پس قلم خاموش ہیں ' زبانیں سی دی گئی ہیں ' حق کی جرأتیں طمع و حرص کے مذبح پر قربان ہو رہی ہیں ' اور وہ خدا کی سچائی جسکی قیمت میں کرۂ ارضی کے تمام خزائن بھی ہیچ تھے ' اور جو اسکے رسولوں اور نبیوں کی پاک امانت تھی ' چاندی سونے کے چند سکوں پر فروخت کی جا رہی ہے : اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالہدی ' فما ربحت تجارتہم و ما کانوا مہتدین -

* * *

حالانکہ خداے عزیز و برتر کا کچھہ اس طرح فضل و کرم ہے کہ جس چیز کے پیچھے لوگ چیختے چلاتے ' گرتے پڑتے ' گرد و خاک میں لوٹتے

ہوے ہوتے ہیں مگر پھر بھی نہیں ملتی، وہ میرے لیے بغیر میری ادنی طلب و خواہش کے موجود ہے، اور اگر میں چاہوں تو اپنی جگہ سے ہلے بغیر اپنے دامن حرص و آز میں اسے ہر وقت مہیا دیکھہ سکتا ہوں - لیکن الحمد للہ کہ سائل کی جگہ معطی بننے کی لذت سے دل کچھہ اس طرح آشنا ہوگیا ہے کہ جو ہاتھہ اپنے سامنے پھیلے ہوے ہاتھوں کو دے سکتا ہے، اسے دوسروں کے آگے لینے کیلیے کبھی پھیلا نہیں سکتا - الہلال جب اول اول شائع ہوا ہے تو ایک فیاض رئیس نے دو ہزار روپیہ کا چک بھیجا اور لکھا کہ اٹھارہ سو روپیہ سالانہ آیندہ بھی ہمیشہ بھیجتا رہونگا، البتہ فلاں فلاں باتوں کا خاص طور پر خیال رکھیے گا - لیکن میں نے اسکی واپسی میں اتنی دیر بھی گوارا نہ کی جتنی ایک ڈاک کے رقعہ سے دوسرے رقعہ تک میں ہوتی ہے - اسی رقعہ اظہار تشکر و امتنان کے بعد واپس کردیا اور الہلال کے تیسرے یا چوتھے نمبر میں لکھدیا کہ " اس لطف و نوازش کا میں مستحق نہیں - خود مجھہ کو خریدنا منظور ہو تو اسکے لیے خشک گھانس کی ایک ٹوکری بھی میری قیمت سے زیادہ ہے - لیکن اگر میری رائے کی خریداری منظور ہے تو اسکے لیے دنیا کی تمام شہنشاہیاں بھی قیمت نہیں ہوسکتیں ، اپنی ریاست اور امارت کا تو نام بھی نہ لیجیے ! "

درین حلقۂ خود ہر گدا شہنشاہ ہست
قدم برون منہ از حد خویش و سلطان باش !

ایک نہیں، اللہ کے فضل بیکراں سے متعدد ارباب ریاست و ثروت ایسے موجود ہیں کہ اگر میں خواہش کروں تو وہ بڑی سے بڑی رقمیں الہلال کے کاموں کیلیے وقف کردیں، اور بعضوں نے مجھے بارہا لکھا بھی، مگر میں نے ہمیشہ انکار کردیا - یہ صرف اسلیے لکھتا ہوں، تا لوگ عبرت پکڑیں کہ جس الہلال کو وہ بالکل ایک نئی قسم کی غیر مانوس صدا سمجھتے تھے، اور علانیہ فیصلہ کرتے تھے کہ یا تو اپنے قلم و شدید خیالات کی وجہ سے خود بند ہوجائیگا یا حکومت کا استبداد اسے آگے بڑھنے نہ دیگا، اسے اللہ کے فضل و کرم نے اس عالم تک پہنچا دیا ہے ؟ اس سے بھی زیادہ یہ کہ لوگ تمام اخبارات سے اسکے متعلق رکھتے ہیں کہ قیمت کم کردو، لیکن الہلال کیلیے خود بخود ارباب دل لکھتے ہیں کہ قیمت کم ہے - زیادہ کیجیے :

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز !

* * *

یہ حالت تو عام طور پر قارئین الہلال کی ہے - اپنے خاندان کی مخصوص جماعت اور اپنے اخوان طریقت و سلسلہ کے جوش فدا کاری اور ہجوم التفات و محبت کا حال کیا کہوں کہ اپنی نا اہلی و عدم کاری کے مقابلے میں اسکے لطف و کرم کی کرشمہ سازیاں کیسی عجیب و غریب ہیں :

من وفائے دوست را سر بہ والی بالم !

اس نے اپنے لطف ذرہ نواز سے مجھے ایسے مخلصین صادقین عطا فرمائے ہیں کہ سچ مچ انہوں نے اپنی جانیں و مالیں، دونوں میرے حوالے کر دیے ہیں، کیونکہ انکے دل میں خدا نے ڈالدیا ہے کہ میں انکی جان و مال کو خود انکی جان و مال کے ساتھہ کسی دوسرے کیلیے وقف کرنا چاہتا ہوں - ان میں ایسے بھی ہیں جنکا کل معیشت موجود ہیں کہ اگر میں ان سے کہوں کہ اس وقت جو کچھہ انکے گھر میں موجود ہے، جمع کر کے میرے دروازے پر ڈھیر کردیں، تو مجھے یقین ہے کہ یہ جواب میں ایک لمحہ کی مہلت بھی نہ مانگینگے اور اپنے گھر میں اپنے لیے ایک تنکا بھی باقی نہ چھوڑیں گے -

ازانجملہ برادرم میاں معظم الدین و محمد امین ایک قدیمی مخلص [illegible] ہیں، جنکو کچھہ ایک عجب طرح کی بے چینی ہر وقت [illegible] رہتی ہے کہ کوئی [illegible] کچھہ مانگیں اور قبول کرا[illegible] اس مخلص شخص کی محبت [illegible] پر مجھے اسقدر یقین دیا [illegible] کہ اگر وقت کے موجودہ میں ایک معمولی نوکر اسکی [illegible] ہوں کہ مجھے پندرہ ہزار روپیہ اسی وقت [illegible] دیدیگا - اسی طرح اخویم شیخ محمد [illegible] وزیر ہیں، جو اس عاجز کے خاندان سے چالیس سال سے [illegible] اخوت رکھتے ہیں - انہوں نے جب سنا کہ الہلال پریس سے ضمانت لی گئی ہے، تو وہ سمجھے کہ شاید دس ہزار کی اخیری ضمانت ہوگی، کیونکہ وہ الہلال کی حق گوئی کو اتنا کم قیمت نہیں سمجھتے تھے جسکے لیے دو ہزار کی حقیر رقم کافی ہو - پس انہوں نے اسی وقت ناگپور سے تار دیا کہ " دس ہزار روپیہ میری طرف سے خدا کیلیے قبول کرو " میں نے واپس کردیا اور لکھا کہ ضمانت دیدی گئی ہے اسکی ضرورت نہیں - میں الہلال کو بند کر دونگا مگر کبھی دوسرے کو ضمانت کیلیے زحمت نہ دونگا - اسی طرح برادرم میاں احمد علی رئیس گجرات و شیخ غلام محمد صاحب، و میاں زبید علی و میاں مولا بخش صاحبان ایسے مخلصین صادقین ہیں، جنکا نام لیے بغیر میں نہیں رہسکتا، اور مال و دولت تو کیا شے ہے ؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا نے انکے دلوں پر اس عاجز کیلیے جان تک دیدینے کا حکم دیدیا ہے اور مجھے تاسف کے ساتھہ کہنا پڑتا ہے کہ اپنے صدہا مخلصین و محبین کو بسا اوقات انکے بیجا اظہار جوش سے روکنے کیلیے ایسی سختی کرنی پڑتی ہے، جسپر اپنے تخلیہ کے اوقات میں نہایت ہی منفعل نادم ہوتا ہوں، فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شی و الیہ ترجعون !

* * *

یہ مختصر اشارات محض بطور تحدیث نعمۃ کے کیے گئے کہ واما بنعمۃ ربک فحدث، ورنہ قارئین کرام سے پوشیدہ نہیں کہ آجتک کبھی بھی انکا ذکر قلم تک نہیں پہنچا - اس سے مقصود یہ تھا کہ لوگ سمجھیں کہ اللہ تعالی نے اپنے لطف و کرم سے اس عاجز کے لیے کیسے سامان پیدا کردیے ہیں کہ میں اگر پسند کروں تو بغیر کسی چیخ پکار کے اپنے کاموں کیلیے دوسروں کا روپیہ حاصل کرسکتا ہوں -

مگر جہاں اللہ کے فضل و کرم نے مجھے باہر یہ سب کچھہ دیا ہے، وہاں ایک دوسری دولت لازوال اور خزانۂ غیر فانی دل کو بھی سپرد کردیا ہے، اور میں کسی طرح راضی نہیں کہ اس سے دست بردار ہوں - یعنی میں نے روز اول ہی سے جن باتوں کا قطعی فیصلہ کرلیا، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اپنے کاموں کیلیے نہ تو کسی انسان کے آگے سوال کرونگا، اور نہ کسی اعانت کا احسان لینا پسند کرونگا - یہ سچ ہے کہ کسی نیک کام کیلیے دوسروں سے مدد لینا انکا احسان لینا نہیں ہے بلکہ انکی پر احسان کرنا ہے، اور اگر کسی نیکی کیلیے ہم خود اپنے تئیں مستعد کرسکیں تو کوئی حرج نہیں کہ دوسروں کو بھی اسمیں شریک کریں - لیکن والا ہمہ میں نہیں چاہتا کہ کبھی اچھی سے اچھی تاویل کے ذریعہ بھی الہلال کو زیر بار منت خلائق اللہ بناؤں -

یہی سبب ہے کہ اللہ کا شکر بجا لاتا ہوں اس تمام سامان سے جسکا ذکر اوپر کرچکا ہوں، مجلس نے کام لینا کبھی گوارا نہیں کیا اور ہمیشہ دل سے یہی فیصلہ کیا کہ جو آرزو دوستوں کے دلوں میں ہے، اسکا قائم رہنا مجھے [illegible] عزیز ہے، بہ نسبت اسکے کہ وہ ایک یا دو بار پوری ہو کر ختم ہو جاے -

مدارس اسلامیہ تجربہ

نـــدوۃ العلمـــا

ماضی و حـــال

(۶)

حیـــات بعـــد الممـــات

(دارالعـلوم سنـہ ۰۶ - میں)

ایک سرسری نظـر اس حالت پر ڈال لینی چاہیے جو سنہ ۱۹۰۶ میں دارالعلوم کی تھی جبکہ مولانا شبلی کی معتمدی شروع ہوئی -

دارالعلوم کی اس وقت کی حالت کا اگر اندازہ کرنا چاہتے ہو تو ایک مریض جاں بلب کے بستر کو دیکھو ' یا کسی لٹے ہوے اور برباد قافلے کو - اگر یہ کافی نہو تو پھر پرانی دہلی کے ان کھنڈروں کی سیر کرو جنکی بہت سی دیواریں گر چکی ہیں ' اور جو کچھہ باقی ہے وہ بھی عنقریب گرنے والا ہے !

افلاس ' فقر ' بے نوائی و شکستہ حالی ' کس مپرسی و مصیبت ' خرابۂ تار اور بربادی مصیبت کا ایک ویرانہ تھا ' جسکے اندر تباہی و ہلاکت کے آثار ہر طرف نمایاں تھے - ایک ظاہری صورت ضرور قائم تھی ' مدرسہ تھا ' مدرس تھے ' طالب علم تھے ' لیکن نہ تو روپیہ تھا جس سے تمام کام زندہ رہتے ہیں ' اور نہ کوئی تعلیمی روح تھی جو بہت سے مادی نقصانوں کی بھی تلافی کردیا کرتی ہے -

(مالـــی حالت)

ندوہ کے حیات بعد الممات اور عروج بعد از زوال کیلیے پہلا کام یہ تھا کہ اسکی مالی حالت درست کی جاے - اس واقعہ کی حقیقت کو اوئی نقشہ نہیں دیا سکتا کہ جب مولانا شبلی نے دارالعلوم کی معتمدی اپنے ہاتھہ میں لی ہے تو منشی محمد علی محرر دفتر نے کہا کہ تحویل بالکل خالی ہے !

ریاست حیدر آباد سے سو روپیہ ندوہ کو ملتے تھے اور پچیس روپیہ بعض دیگر ذرائع سے آتا تھا - یہی سوا سو روپیہ دارالعلوم کا مایۂ حیات تھا اور " لا یزید و لا ینقص " ہوکر رہگیا تھا -

خرچ بالکل دوگنا تھا یعنی ڈھائی سو روپیہ - باقی کمی چندوں سے پوری کی جاتی تھی مگر انکا بھی یہ حال تھا کہ کبھی روزی اور کبھی روزا !

اعانت کرنے والوں میں امرا گورنمنٹ کے زیر اثر اور گورنمنٹ مخالف - علم و متوسطین ندوہ کے طرف سے افسردہ و نا امید - پس تراهمی زر کا کام نہایت ہی مشکل ہو گیا تھا - تاہم مولانا شبلی نے مختلف اطراف [illegible] سعی شروع کردی - سب سے پہلے موجودہ اسلامی هند [illegible] اولین مبدا فیضان یعنی ریاست بھوپال کا سفر کیا ' اور پچاس [illegible] ماہوار رقم مقرر ہو گئی - اس سے عام پبلک میں ایک [illegible] توجہ پیدا ہو گئی اور لوگ بشکست رقمیں بھی اپنی بھیجنے لگے [illegible] بارات میں بھی اب ندوہ کے کاموں کا تذکرہ کیا جانے لگا -

اسکے ساتھہ ہی کوشش کی گئی کہ گورنمنٹ کے سوء ظن کو دور کیا جاے اور اسکے لیے مقامی حکومت سے بھی بالاتر مقامات کو توجہ دلائی گئی - بالاخر یہ مرحلہ بھی طے ہوا - سر جان ہیوٹ نے مولانا شبلی سے پوچھا کہ وہ گورنمنٹ سے کتنی مدد لینا چاہتے ہیں ؟ انہوں نے زمین اور غیر دینی تعلیم کیلیے معقول امداد کی درخواست کی - ڈائرکٹر نے تمام حالات تحقیق کرکے یاد داشت پیش کی بالاخر پانچ سو روپیہ ماہوار امداد مع ایک وسیع و بہترین قطعۂ زمین کے دیا گیا -

پھر اسی ندوہ کے دار العلوم کی تاسیس کا ' جسکو بغاوت کی تحریک سمجھا جاتا تھا ' ایک عظیم الشان جلسہ ہوا اور لفٹننٹ گورنر نے بنیادی پتھر رکھا -

اس اثنا میں ریاست رامپور سے بھی مولانا خط و کتابت کر رہے تھے - هزهائنس نواب صاحب نے اعانت کا وعدہ کیا اور شاید چھہ سو روپیہ سالانہ وہاں سے بھی مقرر ہوگیا یا کم و بیش - ٹھیک رقم یاد نہیں -

(تعمیـرات)

لیکن سب سے بڑا اہم سوال دار العلوم کی تعمیر کا تھا - ایک مدرسہ جس عمارت میں تھا اسے ابتدا سے عارضی سمجھا گیا تھا اور کسی طرح بھی مدرسہ کیلیے کافی نہ تھا - نئی عمارت کیلیے سب سے پہلے زمین اور پھر اقلاً ایک لاکھہ روپیہ مطلوب تھا -

مولانا نے تعمیر دار العلوم کیلیے ایک اپیل شائع کی اور مدرسے کی تعمیر کیلیے پچاس ہزار روپیہ کا ابتدائی اندازہ کیا - یہ اپیل ریاست بہاولپور کے خاندان شاہی تک پہنچی اور خدا تعالے نے کچھہ اسطرح کی توفیق عطا فرمائی کہ پچاس ہزار روپیہ کے گرانقدر عطیے کا صرف بہاولپور ہی سے اعلان ہوگیا !

بورڈنگ ہاوس کی تعمیر کیلیے یہ کارروائی کی گئی کہ آٹھہ آٹھہ سو روپیہ کی لاگت کا ایک ایک کمرہ قرار دیا گیا جو اپنے معطی کے نام پر تعمیر ہوگا - اس اعلان نے اکثر ارباب خیر کو توجہ دلائی اور روپیہ جمع ہونے لگا - (اگرچہ وہ تمام روپیہ خلاف نیت عطا کنندگان دوسرے کاموں میں صرف کیا گیا لیکن اسکا ذکر آگے آئیگا) -

اس طرح مالی مشکلات کی منزل سے ندوہ بہ کمال کامیابی و ترقی گذر گیا - مولانا شبلی نے جب اسکو لیا تھا تو سوا سو روپیہ ماہوار آمدنی تھی اور خزانہ بالکل خالی - لیکن اب ایک ہزار روپیہ تک ماہوار آمدنی پہنچ گئی اور دار العلوم اور بورڈنگ کی عمارت کیلیے ساڑھے اسی ہزار روپیہ جمع ہوگیا -

(اعلان حیات و غلغلۂ کار)

ایک شخص جو مرگیا ہے ' لوگ ابھی اسے زندہ نہیں سمجھینگے اگر وہ بستر پر چند کروٹیں لیکر اپنی زندگی کا ثبوت دینا چاہیگا - کیونکہ دنیا اسکی طرف سے مایوسی کا فیصلہ کر چکی ہے ' اور یہ فیصلہ جب ہی ٹوٹ سکتا ہے جبکہ وہ اٹھکر اس طرح دوڑنے لگے کہ لوگ زندہ ماننے کے لیے مجبور ہو جائیں -

یہی حال کاموں اور تحریکوں کا ہے - جماعت کی توجہ میں کبھی بھی کوئی ترتیب صحیح یا عقلی یا قاعدگی نہیں ہوتی - وہ جب کسی کام کے طرف سے مایوس ہو جاتی ہے تو پھر دوبارہ امید کا پیدا کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے -

مولانا شبلی کے ندوہ کیلیے سب سے بڑی خدمت یہ انجام دی کہ جس چیز کو لوگ بھلا چکے تھے ' اسے پھر انکے سامنے کردیا ' اور

جس کے لیے مایوسی کا فیصلہ ہو گیا تھا ' اسکے لیے امیدیں مسرکر پھر زندہ ہوگئیں !

ایسا ہونے کیلیے صرف ایک ہی شاخ عمل کافی نہیں ہے بلکہ مسلسل اور غیر منقطع کاموں کا ایک پورا سلسلہ چاہیے - دارالعلوم ندوہ کے متعلق جو کچھہ ہوا ' وہ اسی قسم کے کاموں کے لیے ایک عمدہ تجربہ ہے -

ندوۃ العلما کے سالانہ اجلاس ' مدراس کے جلسے کے بعد بالکل موقوف ہو گئے تھے ' کیونکہ نہ تو کام کرنے والے تھے اور نہ لوگوں ہی کو اسی قسم کی دلچسپی باقی رہی تھی -

مولانا شبلی نے کوشش کی کہ سالانہ جلسوں کا سلسلہ پھر شروع ہو -

سب سے پہلے بنارس میں اسکی تحریک کی گئی اور برسوں کے بعد ندوۃ العلما کے انعقاد کا غلغلہ ہوا - پھر دوسرا جلسہ لکھنو میں ہوا - تیسرا دہلی میں اور چوتھا دارالعلوم ندوہ کی نئی عمارت میں جسکی صدارت کے لیے سید رشید رضا مصر سے آئے ' گو علماء ندوہ نے کہا کہ ہمیں انکی قابلیت معلوم نہیں !

دارالعلوم کے سنگ بنیاد نصب کرنے کا جلسہ بھی اسی سلسلے میں شامل ہے -

ان جلسوں سے ملک میں ندوہ کی صدائیں دوبارہ بلند ہوگئیں اور اسکے متعلق عرصے کی خاموشی سے جو افسردگی پھیل گئی تھی دور ہوگئی -

(تعلیمی حالت)

ندوہ کے متعلق تمام مباحث کا خلاصہ یہی عنوان ہے - اسکی عظمت کسی عمارت سے وابستہ نہیں ' اور نہ بہت سا روپیہ ملجانا اسکو قابل قدر بنا دیسکتا ہے - اصل شے یہ ہے کہ جس قسم کی مخصوص طرز تعلیم کے ذریعہ وہ ایک خاص جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے ' اور جس بنا پر میں اسے " اصلاح دینی " کی سب سے بڑی تحریک سمجھتا ہوں ' اسکے لیے کیا ہوا اور کس قدر کام کیا گیا ؟

اس سلسلہ کے نمبر گذشتہ نمبر میں لکھہ چکا ہوں کہ اصلاح تعلیم کے بارے میں بعض خاص رائیں رکھتا ہوں ' اور میں نے ابتدا سے ندوہ پر صرف اس حیثیت سے نظر ڈالنا شروع کی ہے کہ گذشتہ قرون تغیرات و اصلاح میں جسقدر تحریکیں عالم اسلامی میں پیدا ہوئیں ان سب میں ندوہ کا کیا درجہ ہے ' اور جو راہ اس نے اختیار کی ہے وہ اصول اصلاح کی کس قسم میں داخل ہے ؟ پس یہاں بھی اپنی خاص ارا کی بنا پر بحث نہ چھیڑونگا بلکہ صرف اس بنا پر کہ ندوہ نے جو تعلیمی اصول قائم کیا ' اسکے مطابق اسکے اندر کیا کیا کچھہ ہوا اور وہ کس نے کیا ؟

آخری سوال کا ایک ہی جواب یہ ہے کہ مولانا شبلی نے کیا ' کیونکہ واقعہ کو ایسی جوشیلی منت اور حقیقت سے کیونکر انکار کیا جاسکے ؟

وہ جب دار العلوم میں آئے تو اسکی بربادیاں صرف مالی اور مادی حیثیت ہی پر نہ تھیں ' بلکہ سب سے زیادہ حسرت انگیز حالت یہ تھی کہ وہ اپنی تعلیم و اصول تعلیم کی معنوی روح سے بھی بالکل محروم تھا ' اور باوجود ادعاء اصلاح نصاب و غلغلۂ تجدید تعلیم ' اسکی حالت ان مدارس پر کچھہ بھی مزیت نہیں رکھتی تھی جو زمانہ وسیع پیمانے پر ملک میں بکثرت موجود ہیں ' اور جن سے زمانہ وسیع جماعت کو تعلیم دے رہے ہیں -

ندوۃ العلما نے اپنے تعلیمی کاموں کیلیے اصولاً تین باتیں مقاصد کا دعوا کیا تھا :

(۱) موجودہ طریق مدارس و حسن تقسیم و نظم و ادارہ کے ساتھہ ایک [illegible] عربیہ قائم کرنا -

(۲) [illegible] عامہ جو آجکل [illegible] ہند میں علوم عربیہ [illegible] مسلم ہے ' اسکی اصلاح کرنا [illegible] ایک نیا مکمل نصاب [illegible] جو مقتضیات عصریہ اور احتیاجات حالیہ کے مطابق ' علوم [illegible] ' غیر ضروری کتابوں اور قدیم طریق [illegible] ' اور علوم شرعیہ میں باحسن نہج [illegible] و کمال پیدا کرنے والا ہو -

(۳) بعض علوم عصریہ کی شمولیت اور انگریزی زبان کی تعلیم تاکہ انگریزی داں علما پیدا ہوسکیں -

لیکن [illegible] وقت تک ان تینوں چیزوں میں سے ایک شے بھی دارالعلوم میں نہ تھی - اول تو نیا نصاب دو تین سال تک داخل مدرسہ ہو ہی نہ سکا - پھر انگریزی زبان کی تعلیم کی مخالفت کی گئی - اسکے بعد بمشکل گوارا کیا بھی تو اس طرح کہ صرف پندرہ روپیہ تنخواہ کا ایک مدرس انگریزی کیلیے رکھا گیا جس نے دو چار لڑکوں سے اے - بی - سی - شروع کردی - فن ادب کی باسلوب جدید تعلیم بالکل نہ تھی - مضمون نگاری اور تقریر و خطابت کا کوئی سامان نہ تھا - طلبہ میں بہت سی ذہین طبیعتیں موجود تھیں لیکن برباد جا رہی تھیں - یہ تمام باتیں اشخاص پر موقوف ہیں - دار العلوم میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو ان باتوں کو محسوس کرے - کرتا اور انکے لیے قابلیت تو بڑی چیز ہے -

(ادب و تفسیر)

مولانا شبلی نے سب سے پہلے نصاب تعلیم بدلا اور اس نصاب کی تعلیم شروع کی جو مدراس کے اجلاس میں منظور ہوا تھا - فن ادب ہماری قدیم تعلیم کی حقیقی روح ہے ' اور قرآن و حدیث کے خزائن و علوم اسی کے اندر مدفون ہیں - لیکن ہندوستان میں ابتدا سے یہ فن مہجور رہا اور درس نظامیہ کو تو گویا اس سے کچھہ واسطہ ہی نہیں - مولانا نے فن ادب کیلیے خاص طور پر کوشش کی اور صحت تعلیم فن ' و حصول مناسبت تام ' و درس کتب قدماء بیان و بلاغت کے ساتھہ صحیح و فصیح عربی میں تقریر و تحریر کا بھی طلبا کیلیے سامان کیا - یہ فی الحقیقت ہندوستان کے تمام مدارس عربیہ کے تعلیم ادب میں سب سے پہلی بدعۃ حسنہ تھی -

چنانچہ چند سالوں کے اندر ہی اسکے نتائج ظاہر ہوے - متعدد متعلمین ندوہ کو عربی میں تقریر و تحریر کی ایسی قابلیت پیدا ہوگئی کہ انہوں نے سالانہ مجامع میں فی البدیہہ و برجستہ عربی میں تقریریں کیں !

اس بوالعجبی پر ہمیشہ ماتم کیا جائیگا کہ تمام علوم اسلامیہ کی درس و تدریس کا اصل مقصود قرآن تھا ' اور سب کے سب اسکے لیے بمنزلۂ آلات و وسائل کے تھے ' مگر اجزام سماویہ کا مطالعہ کرنے والا دوربینوں کے جانے میں ایسا غرق ہوگیا کہ آگے آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی مہلت ہی نہ ملی ! یعنی معقولات اور فلسفۂ کلام اصل مقصود بنگئے ' اور [illegible] اور علوم قرآن بالکل نظر انداز کردیے گئے - پھر یہ حالت یہاں تک [illegible] کہ یہ سمجھنا مشکل ہوگیا کہ ہمارے مدارس کا اصل مقصود کیا ہے ؟ ارسطو اور اسکے بہت دور کے کم فہم ترجمانوں کی پرستش ' [illegible] حکیم و حدیث نبوی ؟ ہم و عرس ؟

بعض حامیان نصاب [illegible] ہم یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہمارا مقصود ہر علم و فن میں دخل [illegible] معلومات و مطولات علوم اسدرجہ مطالعہ